بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؕ

نظرات

تمام کے تمام مسلمان ملک، جن کا شمار ترقی پذیر (DEVELOPING) ملکوں میں ہوتا ہے، اور جو اپنی ترقی کے لئے ترقی یافتہ (DEVELOPED) ملکوں کے محتاج ہیں، آج کل زندگی کے نہایت ہی پیچیدہ، بڑے ہی اہم و نازک اور بہت حد تک خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ غیر ملکی تسلّط کے زمانے میں ان کی تمام تر توجّہ اجنبی حکمرانوں سے آزادی حاصل کرنے پر مرکوز تھی اور خود اُن کے اندر جو دیرینہ خرابیاں تھیں، جن کی وجہ سے کہ وہ صدہا سال کی آزادی کے بعد غیروں کے غلام ہو گئے تھے، ان کی طرف نظریں کم جاتی تھیں اور جن بنیادی تضادات سے ان کی پوری زندگی عبارت تھی، اُن کا انہیں زیادہ شعور نہ تھا۔ ان ملکوں میں قحط پڑتا تو اس کا سارا الزام غیر ملکی حاکموں کو دیا جاتا۔ فقر و فاقہ، افلاس، پس ماندگی، تعلیم و حفظانِ صحّت کے انتظامات کا ناکافی ہونا، بے کاری اور اس طرح دوسری ایک ہزار ایک اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی کمزوریوں کا ذمّہ دار اسی غیر ملکی اور غیر مسلم حکومت کو گردانا جاتا تھا۔

دنیائے اسلام کی سیاسی آزادی کے بعد یہ صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ اب مسلمان ملکوں کی جملہ کمزوریاں اور خرابیاں اور ان کی زندگی کے بنیادی تضادات سطح کے اوپر آ گئے ہیں اور اُن کی حکومتوں کو ان تمام ذمّہ داریوں کا بار اٹھانا پڑ رہا ہے، جنہیں ہم غیر ملکی حاکموں کے سر تھوپ کر خود کو بری الذمہ محسوس کیا کرتے تھے۔

ہر مسلمان ملک کے لئے سب سے پہلا مسئلہ اس کے دفاع کا ہے اور دفاع کے لئے تربیت یافتہ فوجوں اور جدید ترین اسلحہ کے علاوہ صنعتی ترقی اور ان کے علاوہ پوری قوم کو بلا امتیاز مرد اور عورت کے منظم کرنے کی

کی خاندانی مشکل حل ہوگئی ہے۔

یہ مصر میں سب سے زیادہ چھپنے والے اخبار کی صرف ایک اشاعت کی تصویریں ہیں، جو اتفاق سے ہمیں مل گیا۔ ان کے اوپر یہ جلی عنوان دیا گیا ہے :۔ "۲ اطباء یبدأون تجربۃ رائعۃ فی الشرقیۃ"۔ (صوبہ شرقیہ میں چھ طبیب ایک شاندار تجربے کی ابتداء کر رہے ہیں۔)۔ معلوم نہیں اور اخبارات و رسائل اور دوسرے ذرائع سے خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں وہاں کس وسیع پیمانے پر اور کتنے مؤثر طریقوں سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اور یہ اس لئے کہ مصر میں اضافہ آبادی کا مسئلہ ہم سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ آخر یہ کیا بات ہے کہ اجتماعی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کا معاملہ ہو، زمین کی ملکیت کو محدود کرنے کی ضرورت ہو، نکاح، طلاق اور وراثت کے قوانین میں ضمنی سی ترمیم در پیش ہو۔ بنکوں کی ترویج کا مسئلہ سامنے ہو، آبادی کے اضافہ کو ایک حد میں رکھنے کی بحث ہو، یا اس طرح کے کوئی اور مسائل ہوں، جن کے بارے میں وقت کی بدلتی ہوئی ضرورتیں کچھ تقاضے کرتی ہوں اور ان کے متعلق کوئی اقدام کرنا لازمی ہو، تو ہمارے قدامت پسند اور روایت پرست طبقے اور بالخصوص ہمارے علمائے کرام سدّ سکندری بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ وہ ہر نئے اقدام کی، جو ملک و قوم کے مصالح کے لئے بے حد ضروری ہوتا ہے، مخالفت کرتے ہیں اور اس کے خلاف مذہب کی پوری قوتوں کے ساتھ محاذ قائم کر دیتے ہیں۔

آخر ایسا کیوں ہے ؟

پشاور یونیورسٹی کی سولھویں سالانہ کانووکیشن سے خطاب کرتے ہوئے جناب الطاف گوہر سیکرٹری وزارت اطلاعات حکومت پاکستان نے ملک میں آئے دن اس طرح کے معرکہ ہائے کارزار گرم ہونے کے اصل محرک پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے کہا :۔

"روایت کے دائرے میں جدید اور قدیم میں لڑائی ہو رہی ہے۔ زندگی کے جو بھی تخلیقی دوائر ہیں، ان سب میں روایت اور بغاوت کی قوتیں برسر کار ہیں۔ اور اتفاق سے ہمارا موجودہ معاشرہ روایتی تصوّرات و نقطہ ہائے نظر کے بہت زیادہ زیر اثر ہے۔ ان روایت پرست قوتوں کو ایک طاقت ور طبقے کی تائید حاصل ہے، جو ہر قسم کی نئی بات کی مخالفت کرتا ہے اور اسے الحاد قرار دیتا ہے۔"

موصوف کے نزدیک اب زندگی میں اگر کوئی قابل ذکر اضافہ کرنا ہے تو لازمی ہے کہ پہلوں سے کوئی نئی راہ

نکالی جائے، اور اس طرح آدمی الحاد کا مرتکب ہو۔ اس کے بغیر کسی نئی بات کا ہونا کیسے ممکن ہے۔ جب ہر نئی بات بدعت کہلائے اور ہر بدعت کو ضلالت قرار دیا جائے تو یقیناً ہر نئی بات کے لئے ضلالت کا ارتکاب کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ زندگی کا دھارا کس سے رُکا ہے۔ مانا کہ آج ہمارے ہاں اس کو روکنے والے قدرے طاقت ور ہیں۔ لیکن تاکے، یونیورسٹیاں، کالج اور اسکول جو نئی نسل پیدا کر رہے ہیں۔ اور جس سرعت سے اور جتنے وسیع پیمانے پر صنعتی ترقی ہو رہی ہے اور اس سے پورے معاشرے میں جو ذہنی اور سماجی انقلاب آرہا ہے، وہ ان طبقات کو راستے سے ہٹا کر رہے گا۔

اگر روایت بغاوت کے سامنے سدّ سکندری نہ بنے، بلکہ اس سیلاب کے لئے وہ دونوں کناروں کی اونچی دیواریں بن جائے تاکہ وہ اِدھر اُدھر پھیلنے کے بجائے سیدھی راہ بڑھ سکے، تو یہ روایت پرستی ایک رحمت ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں ایسا نہیں ہو رہا۔

جناب الطاف گوہر نے اپنے کانووکیشن ایڈریس میں علماء کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"بے شک علماء کو اسلام کی تعبیر و تشریح کا حق حاصل ہے، لیکن انہیں یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ اس بارے میں قطعی فیصلہ کرنے والے ہوں اور ان کی حیثیت حرف آخر کی ہو۔"

موصوف نے اپنے سامعین، یونیورسٹی کے نوجوان طالب علموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں بھی اسلام کی تعبیر و تشریح اور خود غور و خوض کر کے اسے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اسلامی قانون تعزیرات پاکستان جیسا ضابطۂ قانون نہیں کہ اس کی صرف قانونی پیشے کے لوگ ہی تعبیر کر سکیں۔ اسلام کا ضابطۂ قانون تمہاری پوری زندگی ہے اور تمہیں اس کی تعبیر اور موجودہ حقائق کی روشنی میں اسے عملی شکل دینے کا اپنا حق منوانا چاہیئے۔ اس ضمن میں وہ اصول اور معتقدات جن پر یہ ضابطۂ قانون مبنی ہے، ان کو ہمیں ابدی و دائمی ماننا ہوگا۔

*****